تعارف

"انٹرویو نمبر" پیشِ خدمت ہے۔

بدقسمتی سے بعض ناگزیر وجوہ کے زیرِ اثر ترجمان القرآن کی مجوزہ و اعلان کردہ اشاعتِ خاص بیاد و تذکرۂ مولانا مودودیؒ التوا در التوا کے چکر میں پڑی ہوئی ہے۔ اس کے لیے چند مضامین و تاثرات کے علاوہ مولینائے مغفور کے خطوط کا اچھا خاصا ذخیرہ موصول ہو چکا ہے۔ بڑا کام یہ باقی ہے کہ ہمیں اپنے نقشۂ کار کے مطابق پاکستان اور عالمِ اسلام کی خاص خاص شخصیتوں سے بعض اہم موضوعات پر جو مقالات لکھوانے ہیں، اُن کا کام معطّل ہے۔ نمبر کا اتنا بھاری نقشہ سامنے ہے کہ وہ بھاری مصارف بھی مانگتا ہے ضروری نہیں کہ حسبِ ضرورت وقت کے وقت سارا انتظام ہو جائے۔

اس تھکا دینے والی تاخیر سے خود اپنا ذہن بھی بے چین ہوتا ہے۔ چنانچہ یکایک یہ نئی تجویز دل سے اُبھری کہ مولینائے مغفور کا ایک غیر شائع شدہ اور غیر نشر شدہ طویل ریڈیائی انٹرویو جسے مجوزہ اشاعتِ خاص کے لیے محفوظ رکھ لیا تھا، اس پر مشتمل ایک مختصر نمبر ابھی سے شائع کر دیا جائے۔ تاکہ سیّد مغفور کے ایمان و فکر کے اس رس سے تشنگان کے ذرا لب تو تر ہو سکیں۔

سو یہ پُورا شمارہ انٹرویو نمبر ہے۔

○

اس انٹرویو کے لیے تحریک ریڈیو پاکستان کی طرف سے تھی۔ محکمہ ریڈیو ہی نے جناب عبدالقادر حسن اور جناب ضیاء الاسلام انصاری کو مامور کیا تھا کہ مناسب سوالات مرتب کریں اور مولانا سے گفتگو میں کر کے ان کے جواب حاصل کریں۔ اس انٹرویو پر ۸۔ اپریل ۱۹۷۵ء کی تاریخ درج ہے۔ گویا یہ ریکارڈ وفات سے ۴ سال پونے پانچ ماہ پہلے کا ہے۔ مولیناؒ نے یہ انٹرویو غالباً سوا دو گھنٹے میں دیا۔

ہمارے ان صحافی دوستوں نے بڑی محنت سے سوالات مرتب کیے' بلکہ یوں کہیے کہ اُنہوں نے چاروں طرف سے مولینا کو ذہنی محاصرے میں لے کر وقت کے بیشتر سوالات کی بوچھاڑ کر دی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ "ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں!" ترجمہ یہ کہ آپ کے سوالوں نے کسی بھی بحث کو بچ کے نہ جانے دیا۔ چنانچہ سوالات

کے جواب انٹرویو لینے والوں نے ایک سے زیادہ نشستوں میں حاصل کیے۔ مجھے وقت کا حساب پُورا یاد نہیں، بس یہ تصوّر ہے کہ اس پر کئی گھنٹے صرف ہوئے تھے۔

انٹرویو پہلے برقی فیتے (TAPE) پر تھا۔ اسے خاصا وقت صرف کر کے برادرم صفدر علی صاحب نے رؤف طاہر صاحب کے تعاون سے کاغذ پر منتقل کیا۔ ابتدائی ترتیب و تدوین کا کام پروفیسر حفیظ الرحمٰن احسن ایم اے نے انجام دیا۔ اُس وقت ان حضرات کے پیشِ نظر اسے ہفت روزہ "آئین" لاہور میں شائع کرانا تھا۔

جب یہ انٹرویو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے آخری سفرِ امریکہ سے قبل مرتب ہو گیا اور مولانا کے سامنے رکھا گیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ اس کی تکمیلی نظرِ ثانی کون کرے گا۔ جب کہ خود ان کے لیے توجہ دینا ممکن نہ تھا۔ غالباً صفدر چوہدری صاحب نے اپنے مخصوص دھیمے سے استفساریہ انداز میں محترم میاں طفیل محمد صاحب کا نام لیا اور مولانائے مغفور نے پُورے اطمینان سے جواب دیا کہ بس میاں صاحب ہی یہ کام کریں گے۔ چنانچہ مولانا نے یہ سعادت میاں صاحب کے حصّے میں اس طرح ڈالی کہ پھر خود تو لوٹ کے اِدھر دیکھنے کا موقع ہی نہ پایا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ میاں صاحب کی ذہنی ہم آہنگی پر مولانائے مغفور کو کس درجہ اعتماد تھا۔ اور میاں صاحب نے دل لگا کر اس خدمت کو انجام دیا اور اُس اعتماد کا حق ادا کر دیا۔

اِس طرح یہ انٹرویو قابلِ اشاعت ہُوا، جواب متعدد پہلوؤں سے تاریخی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

○

اس انٹرویو کے مباحث کا تنوع اور سوالوں کے جواب میں مولانائے مغفور کی وسعتِ بیان دونوں چیزیں بڑی اہم ہیں۔ پہلا سوال تحریکِ پاکستان کے متعلق ہے جس کے جواب میں مختصراً پُورے تاریخی پس منظر اور اپنے کام کے تسلسل کو بیان کر دیا ہے۔

دُوسرے سوال میں اُس موڑ پر گفتگو ہے جو برِ صغیر میں پارلیمانی نظام کے قیام سے آیا اور مسئلہ یہ پیدا ہُوا کہ مُسلمانوں کو متحدہ قومیت کے جال میں پھنسنے سے کیسے بچایا جائے؟

اگلے دو تین سوالوں میں اس کام کا ذکر ہے جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے اندر جُداگانہ قومی تشخص کا شعور اُبھرا۔ پھر یہ بحث اُٹھتی ہے کہ پاکستان کس نصب العین کے لیے وجود میں آیا؟ مسلم رائے عام کو کس مقصد کیلئے تیار کیا گیا؟ اگلے سوال کے جواب میں مولانا نے واضح کیا ہے کہ اگر مسلمانوں میں یہ جذبہ پیدا نہ کیا جاتا کہ انہیں اپنے دین کے مطابق اپنی زندگی کا جُداگانہ نظام قائم کرنے کے لیے آزاد و خود مختار ریاست قائم کرنی ہے، تو ان میں سرے سے آزادی کی جدوجہد کے لیے کوئی حرکت پیدا نہ ہوتی۔

پھر دو ایک سوالوں کے جواب اس بحث پر حاوی ہیں کہ کن وجوہ سے مولانا کو آہستہ آہستہ یہ اندازہ ہوتا گیا کہ جس انداز پر مسلمانوں کی تحریک چل رہی ہے اس کے نتیجے میں ایک قومی جمہوری ریاست (SECULAR NATIONAL DEMOCRACY) تو وجود میں آسکتی ہے، مگر صحیح معنوں میں اسلامی ریاست متشکل نہیں ہوسکتی۔

اگلا سوال یہ تھا کہ اس صورتِ حالات میں اسلامی ریاست کو وجود میں لانے کے لیے آپ نے کیا لائحۂ عمل اختیار کیا۔ مولانا مغفور وضاحت کرتے ہیں کہ مسلم عوام جس ملک گیر تحریک میں منہمک ہو چکے تھے، چونکہ اس کا رُخ موڑنا ممکن نہ تھا، لہٰذا اس سے کوئی براہِ راست تعرض کیے بغیر ہم نے یہ صورت اختیار کی کہ بالفاظ سیدِ مغفور "قیام پاکستان سے پہلے اتنا تعمیری کام کر لیا جائے کہ اس کے قیام کے بعد پیشتر اس کے کہ اس کا نظامِ حکومت سیکولر بنیادوں پر قائم کرنے کے حالات پیدا کیے جائیں، اس میں فوری طور پر اسلامی نظامِ زندگی کے قیام کی بنیاد ڈالی جاسکے۔" پھر اس سلسلے میں کارکنوں کی تیاری اور تنظیم کے کام کے علاوہ ایسے لٹریچر کی تیاری و اشاعت کا پروگرام بنایا گیا "جو اسلامی حکومت کے حقیقی خدوخال متعین کر کے رکھ دے۔"

پھر انٹرویو لینے والے صحافیوں نے پوچھا کہ آپ کا کام اور مسلم لیگ کا کام مقصد کے لحاظ سے یکساں تھا، فرق صرف طریقِ کار کا تھا۔ لیکن ایسا کیوں ہوا کہ دونوں تنظیموں کے درمیان مفاہمت یا تو پیدا ہی نہ ہوئی، یا کسی وجہ سے پس منظر میں چلی گئی۔ مولانا مغفور اس کے جواب میں بتاتے ہیں کہ جماعت کے متعلق مسلم لیگ اور تحریکِ پاکستان کی مخالفت کا تاثر جان بوجھ کر پیدا کیا گیا ہے تاکہ یہ دونوں قوتیں کبھی ہم آہنگ نہ ہو سکیں۔[1]

اس کے بعد قیام پاکستان کے بعد ہونے والی دستوری جدوجہد کی توضیح ہے۔ کئی سوالوں میں اس سلسلے میں

---

[1] ایسی مثالیں موجود ہیں کہ تاریخِ پاکستان پر کتابیں لکھی جاتی ہیں تو انہیں پڑھ کر کوئی نیا آدمی یہ نہیں مان سکتا کہ اس ملک میں مولانا مودودی نام کا کوئی شخص موجود ہے، حالانکہ دوسری طرف مغربی زبانوں میں پاکستان سے متعلق چھپنے والی بعض کتابوں میں تو مولانا کا ذکر اور حوالے چھائے ہوئے ہیں ـــــ اگرچہ مخالفانہ رنگ میں۔ مگر پاکستانی فاضل مصنفین کو تاریخ کے سٹیج سے بھاری بھر کم شخصیتوں کو غائب کر دینے کا فن نظر بندی آتا ہے۔ ایسے صحافی بھی ہیں جو کسی ایسے موضوع پر لکھتے ہوئے جس کا درجۂ اوّل میں مولانا مودودی سے تعلق ہے، مولانا کی شخصیت سے کترا کر نکل جاتے ہیں۔ اور جو چار و ناچار ذکر کرتے بھی ہیں وہ اس شخصیت کے پیکر کا زیادہ حصہ چھپا کر رکھتے ہیں اور جتنا سامنے لاتے ہیں، اس پر کوئی نہ کوئی داغ دھبا ڈال دیتے ہیں۔ علماء تک میں ایسے کرم فرما بھی ہیں جنہوں نے اگر مولانا کی وفات پر تعزیتی کلمات بھی کہے تو اس سے سات گُنا عبارت میں یہ اعلان فرمایا کہ ہمیں تو ان سے یہ اور یہ اختلافات تھے۔ (و۔ ہ۔ ص)

ہونے والے اعتراضات واشکال زیرِ گفتگو آتے ہیں۔

مولینا مغفور سے کانگریس کے متعلق ان کا نقطۂ نظر پوچھا گیا تو اُنھوں نے بتایا کہ ۱۹۲۴ء ہی میں میری رائے واضح طور پر کانگریس کے خلاف ہوگئی تھی۔ مولینا نے اس کے تاریخی وجوہ بھی بیان کیے ہیں۔

پھر گفتگو حضراتِ علماء اور ان کی مخالفتوں کی طرف مڑ جاتی ہے۔

اگلے چند سوالوں میں اُس مؤثر کام کا ذکر ہے جو مولینا نے اپنی تنظیم و تحریک کے ذریعے دستورِ پاکستان کے اساسی اصولوں اور اس کے تفصیلی ڈھانچے کے متعلق مزاحمتوں کے باوجود کیا۔

پُوچھا گیا کہ آیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کا کیا ہوا کام بے نتیجہ نہیں رہا تو مولینا نے جو جواب دیا اس کا پہلا فقرہ یہ ہے کہ "نہیں" ہماری تحریک ناکام نہیں رہی"۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ملک کے عوام کو شعوری طور پر ہم خیال بنانے میں ابھی مزید وقت لگے گا۔

پھر انٹرویو لینے والوں نے جبری انقلاب کے طریقے کا ذکر چھیڑا کہ بعض ایسی ریاستیں ہیں کہ عوام ایک خاص نظریے کے قائل نہ تھے، مگر اقتدار پر قابض ہو کر ایک گروہ نے لوگوں کو زبردستی اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ اس کا صاف صاف جواب مولینا یہ دیتے ہیں کہ "یہ دھوکا بازی ہم نہیں کر سکتے"۔

اس سلسلے میں سوالوں کا مزید اُلٹ پھیر ہوتا ہے تو مولینا کہتے ہیں کہ "جس ملک میں ہم کام کر رہے ہیں، اسکے اندر ہمارے نزدیک صحیح طریقِ کار یہی ہے کہ ہم جمہوری ذرائع ہی سے انقلاب لانے کی کوشش کریں"۔ پھر مزید نصوع کے بعد فرماتے ہیں کہ "ہم نے یہ طریقِ کار اس بنا پر اختیار کیا ہے کہ اگر عام لوگوں کا ذہن اسلامی حکومت کے نظام کو خوشی قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو اور وہ زبردستی اُوپر سے لا کر اُن پر مسلّط کر دیا جائے تو یہ نظام چل نہیں سکتا۔"[1]

پھر حصولِ مقصد اور پاکستانی عوام کی تیاری میں تاخیر کے اسباب زیرِ بحث آتے ہیں۔

بڑا اہم سوال کیا گیا کہ اب تک جو پانچ چھ حکومتیں بدلی ہیں، ان میں سے کسی کے ساتھ جماعت کی مفاہمت کیوں مُہیّا نہ ہو سکی؟

اور مفصل جواب کا پہلا ہی فقرہ خوب ہے کہ "حکومتیں تو ضرور بدلتی رہی ہیں، مگر ایک خاص طبقہ ایسا ہے جو

---

[1] کتنی صراحت سے مولینا کا دعوتی نقطۂ نظر بیان ہوا ہے۔ یہ بات اسلامی دعوت کے اساسی خطوطِ کار میں داخل ہے اور ہمارے بعض معترضین کو جاننا چاہیے کہ اوّل روز سے مولینا مودودی مغفور اسی کے علمبردار رہے ہیں، اور ہم کو بھی انہوں نے اسی کی تربیت دی ہے کہ سیاسی اور خدمتی اور دُوسری مختلف سرگرمیوں کے ساتھ عوام کی ذہنی وابستگی اسلام سے مہیا کی جائے بلکہ دوسری ساری سرگرمیوں میں بھی یہی مقصد بطورِ روح کارفرما ہونا چاہیے۔ (ن۔ص)

اقتدار کا حامل تھا اور حکومتیں تبدیل ہونے سے اس طبقے کے اختیارات میں کوئی کمی نہیں آتی۔" آگے تفصیل بیان کرتے ہوئے مولینا بتاتے ہیں کہ اگر کوئی اچھا آدمی بھی ملک کے سب سے بڑے انتظامی منصب پر آیا تو وہ بے بس ہو کر رہ گیا۔

پھر سائلین حسن والا قصّہ چھیڑ دیتے ہیں جو برسوں سے بار بار ہر کسی نے مولینا سے پوچھا، یعنی کیا آپ نے مسئلہ کشمیر میں مخالفانہ مؤقف اختیار کیا۔

میں نے مولینا مغفور پر مختلف اوقات میں مختلف لوگوں کو اس مسئلے پر ایک ہی طرح سوالات کرتے دیکھا ہے اور مولینا کی طرف سے ایک ہی طرح کا جواب سُنا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ مولینا ایک سوال کی تکرارِ مسلسل سے نہ تو تھکتے، نہ کبھی برہم ہوئے، نہ انہوں نے یہ کہہ کر بات ختم کی کہ میں اس پر بار بار بول اور لکھ چکا ہوں، آپ پڑھ لیں۔ جب کسی نے پوچھا، مولینا نے خندہ پیشانی سے پورا جواب دیا۔ وہی جواب اس انٹرویو میں موجود ہے۔

اب بڑا نازک سا سوال سامنے آتا ہے جو جذباتی بھی ہے اور فکری بھی۔ پوچھا جاتا ہے کہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جماعت کو کیوں کامیابی نہیں ہوئی؟

اس کے اسباب بیان کرتے ہوئے مولینا مغفور پہلا سبب یہ بتاتے ہیں کہ "جماعتِ اسلامی محض انتخابات جیتنے کو اصلی کام قرار نہیں دیتی۔ وہ اصل کام اس کو سمجھتی ہے کہ عام لوگوں کی ذہنی تربیت کی جائے۔ وہ ووٹروں سے غلط وعدے نہیں کر سکتی۔ جھوٹی اُمیدیں نہیں دلا سکتی۔ اس سلسلے میں مفصّل گفتگو کئی سوالات و جوابات پر مشتمل ہے۔

پھر تحریک کے بیرونِ ملک اثرات پر سوال کیا گیا۔ مولینا مغفور جواب میں بتاتے ہیں کہ اگرچہ بہت سی رکاوٹوں کی وجہ سے ہم اپنی تحریک کو دوسرے ممالک میں چلا کر بین الاقوامی نہیں بنا سکتے، لیکن لٹریچر باہر پھیل رہا ہے اور کئی جگہوں پر ہم خیال اور ہم مسلک قسم کی تنظیمیں اُبھر رہی ہیں۔ کئی ملکوں میں تو جماعت اسلامی ہی کے نام سے جماعتیں ہیں، مگر ہمارا ان کا تنظیمی رشتہ نہیں ہے۔ علاوہ ازیں الاخوان المسلمون طرز کے گروہ اسی طرح کا دعوتی کام کر رہے ہیں جیسے ہم کرتے ہیں۔

دو ایک سوالوں کے بعد پھر بات تفہیم القرآن کی چل نکلتی ہے۔ پوچھا جاتا ہے کہ مولینا! آپ نے اس کے لیے وقت کیسے نکالا؟ جواباً مولینا، جب تصنیف و تحقیق کے کام کی داستان چھیڑتے ہیں تو "جوانی کی راتوں" کی یاد یوں تازہ کرتے ہیں کہ "رات کو عشاء کی نماز کے بعد لکھنے کے لیے بیٹھتا تھا اور صبح کی اذان کے ساتھ اُٹھتا تھا" پھر کیا خوب فرماتے ہیں کہ "اب میرا جوڑ جوڑ اور عضو عضو مجھ سے اس کا حساب پوچھتا ہے کہ تم نے ہم سے اتنا سخت کام کیوں لیا!"

پھر تصنیف و تالیف اور کتابوں اور اُن کے تراجم اور اُن کی مقبولیت پر بات ہوتی ہے تا آنکہ ایک اور اہم سوال آجاتا ہے۔ انٹرویو لینے والے پُوچھتے ہیں کہ مولینا! آپ پر سوشلزم کی مخالفت اور سرمایہ داری کی حمایت کا الزام کیوں لگایا جاتا ہے۔ جواب خوب ہے۔ تان مولینا اس سوال پر توڑتے ہیں کہ "ہمارا کس سرمایہ دار یا جاگیردار نے ساتھ دیا؟"

اب بات مولینا کی صحت کی طرف مُڑ جاتی ہے۔

پھر پُوچھا جاتا ہے کہ آج کل کیا کام کر رہے ہیں؟ مولینا جواباً سیرت کے کام کا ذکر کرتے ہیں۔ مکّی دَور مکمل کر چکا ہوں، آج کل مدنی دَور کے لیے مواد فراہم کر رہا ہوں۔

آگے ایک اور دلچسپ سوال ہے کہ "اگر جماعتِ اسلامی پاکستان میں سرگرمِ عمل نہ ہوتی تو کیا حالات ہوتے۔ مولینا نے اس کا بھی مفصل جواب دیا ہے۔ مگر ابتدا میں مزاحاً فرمایا کہ یہ سوال تو کچھ ایسا ہی ہے جیسے آپ کسی سے پُوچھیں کہ بھئی تو پیدا نہ ہُوا ہوتا تو کیا ہوتا!

گفتگو کی گاڑی مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے مسئلے تک آپہنچتی ہے۔ نیز مزید علاقوں کو توڑنے کے لیے جو مساعی ہو رہی تھیں اُن کا ذکر چھڑتا ہے۔

سائلین پُوچھتے ہیں کہ یہاں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کا نظریہ ہے کہ انقلاب بندوق کی نالی سے پھُوٹتا ہے۔ کیا ایسے لوگوں کا مقابلہ کیا جا سکے گا؟

مولینا فرماتے ہیں کہ "ہم اپنی حد تک کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتے جس سے فتنے کی آگ بھڑک اُٹھے۔ لیکن اگر ایسی آگ بھڑکانے کی کوشش کی گئی تو ہم اس کو بجھانے کے لیے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرینگے۔"

——— اور یہ کہ "اس سرزمین میں ہم نے دعوتِ اسلامی کے جو بیج ڈالے ہیں، وہ جل نہیں جائیں گے، انشاء اللہ وہ ضرور بارآور ہونگے۔"

بے حد اہم اور نازک سوال یہ بھی اٹھایا گیا کہ جماعت کی قیادت سے دستبردار ہونے کے بعد اور کام کے نئے ہاتھوں میں چلے جانے کے بعد کیا آپ مطمئن ہیں کہ کام آپ کی توقعات کے مطابق ہو رہا ہے۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ میں کارکردگی سے پُوری طرح مطمئن ہُوں۔ خدا کے فضل سے یہ ایک خودکار نظام ہے اور انشاء اللہ یہ ٹھیک بُنیادوں پر ہی قائم رہے گا۔

انٹرویو لینے والے جواں سال صحافی ایک پرانا پروپیگنڈا یاد دلاتے ہیں کہ آپ مجدّدیت یا مہدویت کا دعوٰے

کرنے والے ہیں۔ پھر وہ مخالفین کے اس پُرانے مقولے کا ذکر کرتے ہیں کہ جماعتِ اسلامی ایک فرقہ بن جائیگی۔

اس کا مناسب جواب دیا جاتا ہے۔

پھر پُوچھا جاتا ہے کہ جس رفتار سے تحریکِ اسلامی کا کام ہو رہا ہے اس کے پیشِ نظر اسلامی نظام کے قیام کا کب تک امکان ہو سکتا ہے؟

مولینا جواباً فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے اس کام میں دس سال لگیں، بیس سال لگیں، پچاس سال لگیں، بہرحال تحریکِ اسلامی فطری رفتار سے آگے بڑھ رہی ہے پھر انتباہ کرتے ہیں کہ اگر ہم جلد بازی میں غیر فطری رفتار اختیار کرنے کی کوشش کریں گے تو اسکے اثرات اچھّے نہیں ہوں گے۔

آخر میں کئی متفرق مگر دلچسپ سوالات سامنے آتے ہیں اور اُن کے مؤثر جوابات۔

○

میں نے اجمالاً انٹرویو کے مباحث کی ایک اجمالی جھلک ابتداء میں اس لیے پیش کر دی ہے کہ قارئین کو یہ اندازہ ہو جائے کہ دائرہ گفتگو کتنا وسیع ہے کبھی سوال ایک طرف سے اٹھتا ہے، کبھی دوسری طرف سے، کوئی دائیں سے آتا ہے اور کوئی بائیں سے، اور مجیب ان کے رنگارنگ سوالات کے جواب بے تکلّف دیتا چلا جاتا ہے۔

اس انٹرویو میں بہت سی ایسی باتیں آگئی ہیں اور بعض تازہ کر دی گئی ہیں کہ اقامتِ دین کے لیے کام کرنیوالوں کو جو سوالات اور اعتراضات پیش آتے رہتے ہیں، ان سب کا جواب ان کی مدد سے دیا جا سکتا ہے۔

یہ انٹرویو گویا اپنا اور اپنے حالات اور اپنے مخالفین کا ایک جامع جائزہ ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ مولینا کے اس یادگار تاریخی انٹرویو کو میرے دوست اور رفقاء نہایت غور و توجّہ سے پڑھیں گے اور اس کے مقاصد و مطالب کو اخذ کریں گے اور دوسروں کو پڑھانے کے لیے اسے پھیلائیں گے۔

آخر میں میری دُعا ہے کہ اس انٹرویو کو لینے، ریکارڈ کرنے، اسکی ترتیب و تکمیل کرنے، اس کی اشاعت کی مہم میں کوئی حصّہ لینے کی سعادت جن بزرگوں اور دوستوں کو حاصل ہوئی ہے، نیز اس سے جو احباب استفادہ کرینگے ان سب کو اللہ تعالیٰ جزا دے۔ سب سے بڑھ کر وہ لطف و احسان سیّد مغفور پر فرمائے جن کے مطالعہ و تفکر کا ایک قیمتی حاصل ہمارے سامنے آیا۔ آمین

نیاز کیش

نعیم صدیقی

۲۶ اگست ۱۹۸۰ء